ABSTRACT

Features of early Urdu prose in Balochistan in the books of Hattu Ram.

Hattu Ram served under the English Government attached with the administration relating to political and executive matters of Balochistan and South Punjab in the early 70s of nineteenth century. The Head office of that administrative body was in Dera Ghazi Khan. Hattu Ram was at home in Urdu, Balochi, Persian and English. Due to this, he was admired by English Government and ranked as historian. With this objective he visited various parts of Balochistan, described state of affairs of the region in Urdu prose. His first book, Gul Bahar was published in 1871 which unfolded and elucidated Baloch lineage. His second book Balochi Nama was published in 1875 (Farsi). It was Balochi to Persian dictionary encompassing not only Persian alternates but also Urdu substitutes. It also took help from Urdu sentences for this purpose. For the collection of required material to compile the dictionary , his visits of different parts of Balochstan made earlier while writing Gul Bahar, assisted him. Hattu Ram's third book named Tarekh-e-Balochistan was published in 1907. The book records the history of Baloch nations in Urdu. This book was written while serving in Balochistan. The subject matter of all the three books is Balochistan, written in Urdu and Persian in Balochistan and as such, it is considered an asset of early Urdu prose in Balochistan.

کرن داؤد بٹ

ڈاکٹر خالد محمود خٹک

ہتو رام کی تصانیف میں بلوچستان کی ابتدائی اردو نثر کے خدوخال

بلوچستان سے متعلق لکھنے والوں کی نثری تحریروں میں ہتو رام کی کتاب ''گل بہار'' (بلوچ قبائل) سرفہرست ہے جو ۱۸۶۲ء میں طبع ہوئی۔اس کی اشاعتِ چہارم عزیز محمد بگٹی جنرل سیکرٹری بلوچی اکیڈمی کوئٹہ کی نظر ثانی کے بعد یونائیٹڈ پرنٹر کوئٹہ سے ۲۰۱۴ء میں ہوئی۔اس کے صفحہ نمبر ندارد (اسے صفحہ نمبر ۲ شمار کیا جائے گا کیوں کہ اندرونی سرورق سے صفحہ شماری کر کے ظاہر نہیں کی گئی ہے، ۳ صفحاتی فہرست کے بعد بارِ دوم کے عنوان سے عزیز محمد بگٹی کی لکھی گئی تحریر صفحہ ۷ سے شروع ہوتی ہے۔اس شماریات کے مطابق طباعتی کوائف کا صفحہ نمبر ۲ بنتا ہے) پر طباعتی کوائف میں کتاب کی اشاعت اول کا سال ۱۸۶۲ء لکھا گیا ہے۔ہتو رام، کتاب کے دیباچے صفحہ نمبر ۹ پر وجہ تصنیفِ کتاب میں لکھتے ہیں کہ سکرٹری گورنمنٹ پنجاب کے سرکلر نمبر 3.1 مورخہ ۲ جنوری ۱۸۶۹ء کے بعد انھوں نے ''گل بہار'' تحریر کرنے کی داغ بیل ڈالی۔جس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے اپنی دوسری کتاب ''بلوچی نامہ'' میں ''گل بہار'' کی تکمیل سے پہلے کی

صورت حال بیان کرتے ہوئے اس کا زمانہ ۱۸۷۱ء بتاتے ہیں۔لہٰذا دونوں کتابوں میں ''گل بہار'' کی سنِ اشاعت کے بارے میں مصنف کے اپنے الفاظ کے مطابق یہ طے ہو جاتا ہے کہ ۱۸۷۱ء تک ''گل بہار'' کی طباعت نہیں ہوئی تھی۔اس کی طباعت ۱۸۷۲ء میں مکمل ہوئی تھی۔ جسے طبع چہارم کے طباعتی کوائف کے صفحے میں سہواً ۱۸۶۲ء لکھا گیا ہے۔

اس کتاب میں بلوچ قبائل کے شجرے تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں۔پوری کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر حصے کی مزید تقسیم،گل پہلا ،گل دوسرا،گل تیسرا اور گل چوتھا کے عنوانات سے کی ہے۔گل پہلا، دوسرا، تیسرا اور چوتھا کے عنوانات فارسی میں یوں قائم کیے گئے ہیں۔در باب تواریخ ضلع وعملداری ہائے گزشتہ،تفصیل دیہات و حال قصبہ جات، در باب ہئیت وشکل ضلع مع سرحدات پہاڑ وغیرہ، کیفیت نالجات ابتدائی آبدی سے تا حال، در باب آبادی مخلوق وتفصیل تعداد اقوام ضلع ہذا، بیچ بیان مذاہب ورسم دینی ودنیوی اقوام، حالات خاندان قدیمی، در باب حالات اقوام بلوچستان، در باب حالات زمین، حال بیوپار، پیشہ وگزران معاش اقوام، تشریح پیداوار ہر قسم اجناس وغیرہ،تفصیل آمدنی وخرچ ضلع ہذا، انتظام ملکی ہر قسم، انتظام جنگی، کیفیت بندوبست سرسری وقانونی، قصہ چوری مع تفصیل اقوام چوری پیشہ، حال جھوٹ فریب اور تاریخ کتاب۔ان عنوانات میں فارسی کے غلبے کے باوجود اردو کے الفاظ پہاڑ، سے، بیوپار اور جھوٹ برتے گئے ہیں۔

ہتو رام انگریز سرکار میں پیش کار کے عہدے پر فائز تھے مگر ان سے سرکاری وقائع نگار کا کام بھی لیا جاتا تھا۔اس حیثیت میں انگریز سرکار سے وابستہ رہتے ہوئے بلوچ علاقوں کی تاریخ، حالات اور واقعات کو سرکار کی مرضی کے مطابق بیان کیا ہے۔ بلوچستان سمیت وہ علاقے جہاں جہاں بلوچ قبائل آباد تھے اس کے جغرافیے کے بارے میں بھی بنیادی معلومات فراہم کی ہیں۔اس کتاب کا زمانہ تحریر اس وقت کا ہے جب بلوچستان میں انگریزوں کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی۔سر رابرٹ سنڈیمن، ڈیرہ غازی خان کا ڈپٹی کمشنر تھا۔اس کی فارورڈ پالیسی میں بلوچستان سے ہوتے ہوئے افغانستان تک رسائی حاصل کرنے کی منصوبہ بندی موجود تھی۔لہٰذا اس نے بلوچستان کے بارے میں مختلف ذرائع سے ایسی معلومات حاصل کیں جو قبائل کی تاریخ، جغرافیہ، ثقافت، عادات واطوار، باہم آویزش، آبادی کی تقسیم اور سیاسی ومعاشی نظام کی تشکیل کے بارے میں تفصیلات فراہم کرتی تھیں۔ان میں سے ایک ذریعہ ہتو رام کی وقائع نگاری بھی تھی۔ان سب معلومات کی بنیاد پر پہلے مرحلے کے طور پر بلوچستان پر حکومت قائم کی گئی۔''گل بہار'' میں ہتو رام نے قبائل کے شجرے اور دیگر معلومات کی تفصیل اردو نثر میں بیان کی ہے۔جس میں وہ حصہ جو بلوچستان کے قبائل کے بارے میں ہے اس کا تعلق براہ راست بلوچستان سے ہے۔جس کے لیے مصنف کو سرکاری ذمہ داری ادا کرنے کے لیے بلوچستان کے مختلف علاقوں میں آکر رہائش اختیار کرنا پڑی۔قبائل کو جانچنے اور ان کے بارے میں تفصیلات فراہم کرنے کے لیے روابط کے ساتھ ساتھ مختلف علاقوں کے دشوار گزار سفر بھی اختیار کیے۔ بلوچستان کے بارے میں یہ تمام تفصیلات اردو نثر میں لکھی گئی ہیں۔کتاب کے کل صفحات ۳۷۷ ہیں۔اس کتاب کے دوسرے حصے کے ''گل چوتھا'' بہ عنوان در باب حالات اقوام بلوچستان میں حال تمن بگٹی، حال تمن مری اور حال تمن کھتران کے تحت صفحہ ۲۵۴ سے صفحہ ۳۰۴ تک جو مواد پیش کیا ہے وہ موجودہ بلوچستان کے کچھ علاقوں کے بارے میں ہے۔ ۵۱ صفحوں پر مشتمل اس مواد میں ۱۳ صفحات ایسے ہیں جن میں قبائل کے شجرے، نقشے، سال بہ سال مقدمات کی تفصیل اور اسلحہ بند نفری کی

تفصیل شامل ہے۔شجروں میں جہاں کہیں بچوں کی پیدائش کسی دوسری ماں سے ہوئی ہے اس کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔جیسے صفحہ ۲۵۵ پر شجرۂ نسبِ تمن دار بگٹی کے ذیل میں نوردین، باہرو، باہر کے مقابل لکھا ہے، یہ سہ فرزند غلام مرتضیٰ خان کی شکمِ کیترک سے ہیں۔جب کہ شیق اور رامن کے مقابل لکھا ہے۔یہ ہر دو پسر بہی کیترک سے پیدا ہوئے ہیں۔مٹھا کے مقابل تحریر ہے کہ یہ پسر شکمِ عورتِ قومِ بگٹی سے تولد ہوا۔بیڑا خان کے سامنے تحریر ہے کہ یہ پسر شکمِ عورتِ قومِ مری سے پیدا ہوا اور گوہر خان و شہباز خان کے ناموں کے سامنے یہ عبارت درج کی گئی ہے کہ یہ ہر دو پسران شکمِ قومِ کہتران سے ہیں۔ایسی چند مزید عبارتوں کو چھوڑ کر شجروں اور ان کے متعلقات کے صفحات پر جدِ امجد سے لے کر کتاب لکھنے کے وقت تک کے مردوں کے نام شجر کی شکل میں خانے بنا کر پیش کیے گئے ہیں یا پھر گوشوارے ہیں جن میں افراد ان کا اسلحہ اور سواریوں اور مقدمات کی تفصیل، اعداد و شمار کے ذریعے درج کی گئی ہے۔ان صفحات میں بیٹوں کی الگ الگ تخصیص کے لیے ماؤں کے ناموں کی وضاحت مری اور کہتران تمن داروں کے ذیل میں بھی کی گئی ہے۔اس طرح کی کل تشریحی عبارتیں یا جملے آٹھ ہیں۔ان سب کا طرز بیان اور ذخیرہ الفاظ ایک ہی جیسا ہے جس پر فارسی الفاظ کا غلبہ ہے۔ہر جملے کا پہلا لفظ ''یہ'' ہے۔جملوں کا اختتام ''ہیں'' اور ''ہوا'' پر کیا گیا ہے۔جب کہ ہر جملے میں حرف ''سے'' مشترک ہے اور پہلے جملے میں اردو کا لفظ ''کی'' بھی استعمال ہوا ہے۔ان جملوں کا تجزیہ یہ بتاتا ہے کہ توضیحی جملوں کے لیے مصنف جملے کا آغاز اسم اشارہ سے کرتا ہے۔اردو حرف نویسی اور اس کے استعمال کو جانتا ہے۔اسی طرح جملے کو اردو میں بامعنی بنانے کے لیے فعل اور امدادی فعل کا استعمال بھی جانتا ہے۔لیکن معاصر سہل اور رواں اردو نثر کے مزاج سے پوری طرح واقف نہیں ہے۔اسی طرح املا میں بھی اردو نثر کی قدامت کے آثار غالب ہیں۔ہائے ملفوظی (ہ) کی بجائے ہائے مخلوط (ھ) کا استعمال بہ کثرت اور بے موقع ہے۔ایک ہی لفظ کا املا مختلف مقامات پر مختلف ہے، جیسے کھتران کو کہتران بھی لکھا گیا ہے۔اس کے علاوہ ۳۸ صفحات پر مشتمل بلوچستان کے قبائل سے متعلق اردو نثر بھی مجموعی طور پر فارسی طرز بیان اور ذخیرہ الفاظ کے زیرِ اثر ہے۔جسے تمن بگٹی کے شجرہ نسب کے بعد لکھی گئی اس اردو نثری تحریر سے سمجھا جا سکتا ہے۔:

> ''حال تمن بگٹی کا یہ ہے کہ زمین بگ ولایت حلب میں واقع ہے اور یہ قوم زمین مذکورہ پر سکونت رکھتے تھے۔اس سبب قوم بگٹی مشہور ہوگئی۔اور وہ پاڑہ ساتھ سردار کل بلوچی کے وقتِ کوچ حلب سے ساتھ تھے۔اس میں سے یہ ایک پاڑہ بگٹی کا تھا۔اور قدیم سے سردار بگٹی کے راہجہ کے خاندان میں چلی آئی ہے۔راہجہ راہو خان سے مشہور ہوا جو میر عالی سے تیسری پشت جدِ اعلیٰ ہوا ہے۔'' [۱]

ہتو رام کی اردو نثر تذکیر و تانیث، واحد جمع کی تمیز سے عاری ہے۔یہ بلوچستان کا مخصوص مقامی لہجہ ہے۔اس کی چھاپ آج بھی یہاں کی اردو نثر میں دکھائی دیتی ہے۔جس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہتو رام نے فی الواقع بلوچستان میں طویل سکونت اختیار کی تھی۔اور وہ اس تحریر سے قبل بھی اردو کے اس دور کے مروجہ معیار، اسالیب اور لہجے سے کما حقہٗ واقف نہ تھا۔لیکن اس زبان میں لکھت پڑھت کو اس حد تک جانتا تھا کہ اس میں اپنا مافی الضمیر یوں بیان کر سکیں جس کا ابلاغ واضح ہو۔سرکاری وقائع نگار کی حیثیت سے انگریزوں کے عہد میں ان کا انتخاب معمولی حیثیت کا حامل نہیں تھا کیوں کہ انگریز کاروبارِ سلطنت سے متعلق امور کو رفتہ رفتہ برصغیر کی اس

زبان میں چلانے پر گامزن تھے جو مختلف علاقوں میں رابطے کی زبان ہو۔اس حیثیت سے اردو پر ان کی سب سے زیادہ توجہ تھی لہٰذا سر رابرٹ سنڈیمن کے زیرنگرانی بلوچستان، پنجاب اور سندھ کے وسیع علاقوں میں حالات کی کھوج بین کو اردو میں منتقل کرنے کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو سرکار کے دیے ہوئے کاموں کو وضاحت کے ساتھ اردو میں پیش کر سکے۔اس لیے ہتو رام نے اپنی پہلی تصنیف کو اردو میں لکھنے کا فیصلہ نہ صرف اپنی مرضی کے مطابق کیا بلکہ اس میں انگریز سرکار کی خوشنودی بھی شامل تھی۔اس کی تربیت اور قدرت جس طرز کی اردو لکھنے، بولنے اور پڑھنے کی تھی اسی میں بلوچستان کے حالات کو لکھا۔وہ انگریز حکام جو ہتو رام سے اردو میں یہ کام کروا رہے تھے وہ خود ہتو رام کے عشر عشیر بھی اردو نہیں جانتے تھے۔اس لیے کتاب ''گل بہار'' کو قبول کر لیا گیا۔اگر کوئی بڑا عہدے دار ایسا موجود ہوتا جو اردو کے بڑے اور اہم مراکز میں بولی، پڑھی اور لکھی جانے والی اردو سے واقف ہوتا تو یقیناً زبان کے معیار کو سدھارنے کا مشورہ ضرور دیتا۔بہرطور ''گل بہار'' میں بلوچستان سے متعلق لکھے گئے ۳۸ نثری صفحات اتنے اہم تھے کہ اس نثر نے نہ صرف بلوچستان بلکہ برصغیر کے اردو دان طبقوں کو بلوچستان کے بارے میں آگاہ کیا اور بلوچستان سے متعلق بلوچستان میں لکھی گئی اردو نثر کو متعارف کرایا۔خصوصاً بلوچستان کے لوگوں کی نظر اس بات پر ضرور پڑی ہوگی کہ معاملات کو بیان کرنے کے لیے اردو نثر میں وسیع مواقع موجود ہیں۔یہ پورا مواد اس خطے میں اردو نثر کا ایسا اولین مجتمع سرمایہ ہے جو خالصتاً بلوچستان کے بارے میں اردو نثر میں لکھا گیا ہے۔اس سے پہلے بلوچستان میں رہ کر بلوچستان کے بارے میں لکھی گئی اردو نثر کا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے۔ہتو رام شجرہ نسب تمن دار کھتران کی بحث کے اختتام پر بلوچستان کے شہر بارکھان اور اس سے متعلق معلومات کو اردو نثر میں یوں بیان کرتا ہے کہ:

> ''پرانہ شہر بارکھان کا جو لغاری بارکھان مشہور ہے۔تمندار لگاری کا ہے۔مردمان نہڑ جو رشتہ دار اُن کے ہیں۔بطور مزارع کاشت کرتی ہیں۔محصول جمال خان تمندار اٹھاتا ہے۔تمندار بگٹی اور کہتران کا بھی آپس میں رشتہ ہے۔کہ میر حاجی تمندار متوفی غلامی مرتضیٰ خان تمندار بگٹی حال کا ماموں تھا اس سبب بگٹی اور کہتران کا اکثر آپس میں اتفاق ہے۔اور اکثر رسومات قوم کہتران دیگر اقوام بلوچستان سے متفق ہیں۔''[۲]

''گل بہار'' میں وہ مواد جس کا تعلق بلوچستان کے مختلف علاقوں سے ہے اس کی تفصیلات، ثقافت کے وہ امور جن کا تعلق رہن سہن، تاریخ و جغرافیہ اور باہمی روابط سے ہے اس طرح ابھارے گئے ہیں کہ وہاں کے لوگ اور ان کی بود و باش کے اہم زاویے اُبھر کر سامنے آجائیں۔ان تفصیلات سے قبائل کی الگ الگ شناخت بھی اس طرح اجاگر ہوتی ہے کہ تفصیلات درج کرنے کے زمانے میں اور بدلتے ہوئے وقت سے متاثر چیزوں میں تقابل کرنا اور نئے نتائج حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔اگرچہ ہتو رام بلوچستان کا باشندہ نہیں تھا لیکن یہاں قیام کے دوران اس نے اردو نثر میں اپنی ذمہ داریوں کو جس طرح منعکس کیا ہے اس سے وہ اسی علاقے کا فرد معلوم ہوتا ہے۔اگرچہ وقائع نگاری نثری اصناف ادب میں شامل نہیں ہے کیوں کہ اس میں تاریخ اور جغرافیے کی طرح حقائق کو من و عن بیان کیا جا سکتا ہے۔اس میں تخلیقی عمل کی رسائی نہ ہونے کی وجہ سے اسے ادبی صنفِ نثر قرار نہیں دیا جاتا ہے۔لیکن کئی صفحات کے بعد جب وہ تجزیہ، تبصرہ یا اپنے جذبات و احساسات کو بیان کا حصہ بناتا ہے تو وہاں ادبی رنگ چند لمحوں کے لیے سامنے آکر ماند پڑ جاتا ہے۔

ہتو رام کی دوسری تصنیف ''بلوچی نامہ'' ۱۸۷۵ء میں منظر پر آئی۔دوسری بار اس کتاب کی اشاعت ۱۸۹۶ء میں ہوئی۔

اسے لاہور کے مطبع مفیدِ عام نے شائع کیا جس کے روح رواں منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز تھے۔ دوسرے ایڈیشن کی ضخامت ۱۶۰ صفحات تھی۔ اسی کتاب کی طباعت بلوچی اکیڈمی کوئٹہ نے بھی کی جس کا سن اشاعت ۱۹۸۸ء ہے۔ مرتب عزیز محمد بگٹی ہے اور پیش کش اجمل شیر خان کی۔ بلوچی اکیڈمی کوئٹہ کے زیرِ اہتمام طبع شدہ اس کتاب کی ضخامت ۲۹۹ صفحات ہے۔ سرورق پر کتاب کے نام ''بلوچی نامہ'' کے نیچے قوسین میں فارسی لکھا ہے۔ پہلی خواندگی میں اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ کتاب کا اندرونی مواد فارسی زبان میں لکھا گیا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ دیباچے کا آغاز اس طرح اردو نثر میں ہوتا ہے:

> ''وجہ تسمیہ: بلوچی نامہ اظہر من الشمس کہ اسم با مسمی ہے سبب تصنیف و مہارت مصنف کا پھر کہ سال ۱۸۶۷ء سے آمد ورفت بلوچان کوہستانی از قوم مری بگٹی بہ علاقہ ہذا شروع ہوئی راقم کو بسبب ملازمی پیشی محکمہ اسسٹنٹی سب ڈویژن راجن پور اقوام مذکورہ سے ہر وقت تعلق گفتگو و ملاقات کا تھا۔ اون دنوں میں مردمان مذکور زبان دیسی سے بالکل لاعلم تھے اس باعث واقف ہونا زبان بلوچی کا امر ضروری متصور ہو کر استعمال ہوتا رہا۔''[۳]

یہ کتاب ہتو رام نے سکریٹری گورنمنٹ پنجاب گلیڈ سٹون کی فرمائش پر تحریر کی تا کہ بلوچی زبان کے وہ الفاظ جو عام بول چال میں استعمال ہوتے تھے انھیں یک جا کر کے کتاب تیار کی جائے ان کے بہ قول اس وقت تک بلوچی زبان کی کوئی کتاب موجود نہیں تھی لہٰذا اس تصنیف کے لیے انھیں مری بگٹی کے علاقوں میں آبادی کے مختلف طبقات کے ساتھ رہ کر وہ مواد حاصل کرنا پڑا جو بلوچی کے بنیادی ڈھانچے اور اس کی تفصیلات کو سامنے لاتا ہے۔ اس کتاب کا ایک حصہ بلوچی فارسی لغت ہے۔ جسے ترتیب دیتے وقت اور بعد میں بھی ان کے ذہن میں خیال یہ تھا کہ ایک بلوچی فارسی لغت بنایا جائے یعنی بلوچی الفاظ کے معنی فارسی زبان میں لکھے جائیں۔ کیوں کہ کتاب کی تحریر کے زمانے میں بلوچستان اور دیگر علاقوں کے بلوچوں کی شد بد دیگر زبانوں کے مقابلے میں فارسی میں زیادہ تھی۔ اسی لیے کتاب کے سرورق پر بلوچی نامہ (فارسی) لکھا گیا ہے۔ مگر وقتِ تصنیف کتاب کے مختلف مراحل میں توجیہات، متبادل الفاظ اور ایسے فارسی ذخیرہ الفاظ کی قلت سے دوچار ہونا پڑا جو بلوچی الفاظ، قواعد، قصص اور ثقافت کے عوامل کو اس نہج سے پیش کر سکیں جس سے بلوچی معنویت کا احاطہ ہوتا ہو۔ عملاً جب اس کام کو کیا جانے لگا تو ان مقامات پر جہاں فارسی سے کام نہیں بن پڑا وہاں اردو سے مدد لی گئی۔ کتاب کا مواد جوں جوں آگے بڑھا ویسے ویسے تفہیم و توضیح میں اردو کا عمل دخل کہیں معنی اور کہیں نثری جملوں کی صورت میں بڑھتا چلا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کتاب کے ایسے حصے بھی ہیں جس میں اصل مواد کو بلوچی میں پیش کر کے اس کی اردو یا فارسی میں کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے اور تمام متن کو بلوچی میں ہی لکھا گیا ہے۔ کتاب کے اوراق کی مقدار کا بلوچی، فارسی اور اردو زبانوں کے تناسب کے تحت تجزیہ کیا جائے تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ کتاب کے کل ۲۲۹ صفحات میں سب سے زیادہ بلوچی الفاظ اور نثر کا استعمال ہوا ہے جو مختلف ٹکڑوں میں بٹا ہوا ۱۶۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد اردو الفاظ اور نثری توجیہات کا نمبر آتا ہے جو اسی طرح ۳۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ فارسی کے اندراجات سب سے کم ہیں جن کا حجم ۲۶ صفحات ہے۔

کتاب کے مضامین سے متعلق فہرست مطالب ترتیب نہیں دی گئی ہے۔ دیباچہ میں ہی صفحہ نمبر بتائے بغیر ان اہم موضوعات اور ان کی تفصیل کا اشاریہ فراہم کر دیا ہے اس کے مطابق کتاب کے چار بنیادی حصے ہیں۔

۱۔ بحر پہلا درِ باب تفصیل وتشریح اسماء وحروف کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے جس میں فہرست اسماء، اسماءِ صفت، ضمیر اور حروف پر بحث کی ہے۔

۲۔ بحر دوسرا متضمن تفصیل وترتیب فاعلات کے عنوان سے فہرست ہے۔جس میں افعال کو تہجی ترتیب کے مطابق رکھا گیا ہے۔ نیز مصدر اور صیغوں کی گردان بھی پیش کی گئی ہے۔

۳۔ بحر تیسرا مشعر گفتگو وحالات معمولی اور رسمیہ اہل زبان کا عنوان لگا کر پہلے اہل زبان کی گفتگو بہ طور سوال وجواب بلوچی اور فارسی میں لکھی گئی ہے۔اس کے بعد بلوچی مکالموں کا فارسی ترجمہ موقوف کر کے صرف بلوچی میں بولے جانے والے روزمرہ کے مختصر جملے لکھے گئے ہیں تا کہ بلوچی کی شد بد رکھنے والوں کو روزمرہ کی گفتگو کے رموز اور اس کے پس منظر میں ثقافتی عوامل کا بہ خوبی اندازہ ہو سکے۔ بعد ازاں شادی وغمی، جنگ وجدال، کاشتکاری اور معاش سے متعلق الگ الگ عنوانات کے تحت عمومی گفتگو کے بلوچی نمونے فراہم کیے گئے ہیں۔اس کے بعد نمونے کے چند اشعار، شعرانِ حال کے عنوان سے فراہم کیے گئے ہیں جو ایک صفحے پر محیط ہیں۔صفحہ ۱۲۷ سے، باغر شعر کا عنوان لگا کر ایک مصرع بلوچی کا لکھ کر اس کے نیچے اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہ عمل صفحہ ۱۳۸ تک اسی طرز پر جاری رہتا ہے۔ پھر ''وڑ ددر غا حال'' کے عنوان سے بلوچی مواد لایا گیا ہے یہ مواد صفحہ ۱۵۰ کے ربع حصے تک چلتا ہے۔اس کے بعد وہ قصصِ بلوچی میں لکھے گئے ہیں جو اس وقت بلوچوں میں رائج تھے۔ان میں قصہ پیر سُھری، قصہ تہولغ وروپہسک، قصہ تہولغ مزار، قصہ تہولغانی سردار، قصہ سلام خان نہڑ، قصہ تہولغ ومزار، نیز بلوچ اقوام رند، بروہی کے حالات قلم بند کیے گئے ہیں۔نمونے کے طور پر دو تین اشعار بھی لکھے گئے ہیں۔جس سے بلوچی جاننے اور سمجھنے کے شائق افراد کے لیے زبان سے واقفیت کا سلسلہ مضبوط ہوتا ہے اور بلوچوں کے رسم ورواج سے واقفیت ہوتی ہے۔

۴۔ بحر چوتھا در بیان لغات۔ یہ لغت، حروف تہجی کی ترتیب میں ہے۔جس میں بلوچی کے الفاظ کے معنی فارسی اور اردو میں لکھے گئے ہیں۔افعال میں مصدر اور ماضی مطلق دونوں کی نشان دہی کی گئی ہے کیوں کہ مصنف کے مطابق بعض فعل ماضی مطلق میں ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں جس سے اصل مصدر کی شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔وہ اسماء، فعل اور حرف اس لغت میں شامل کیے گئے ہیں جو بول چال میں کم استعمال ہوتے ہیں اور ایسے الفاظ جو عام بول چال میں بہ کثرت ہیں انہیں اس لغت میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔اس لغت کا ایک اور حصہ مصنف کے بہ قول زیر ترتیب ہے جس میں ان الفاظ کو لائے جانے کی منصوبہ بندی کی گئی ہے جو اس لغت میں نہیں آ سکے ہیں۔مگر بلوچی نامے کا دوسرا حصہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا اور مصنف کا منصوبہ نامکمل ہی رہا۔

یہ بلوچی لغت صفحہ ۱۹۱ سے ۲۲۷ پر محیط ہے ہر صفحے کو دو کالموں میں تقسیم کیا گیا ہے ہر کالم کو مزید دو حصوں میں بانٹ کر پہلے حصے میں بلوچی الفاظ لکھے گئے ہیں ان کے مقابل دوسرے حصے میں بلوچی الفاظ کے معنی کہیں فارسی اور کہیں اردو میں تحریر ہیں۔ابتداً شروع کے ۳ صفحات میں فارسی معنی کی کثرت ہے لیکن اس کے بعد اردو معنی اور توضیحات کا غلبہ بڑھتا چلا گیا ہے۔بعض مفاہیم کو اردو کے طویل جملوں کی صورت میں لکھ کر وضاحت کے مقاصد کی تکمیل کی گئی ہے۔ایسے اردو توضیحی جملوں کی تعداد ۸۰ ہے۔نمونے کے چند بلوچی الفاظ اور ان کے معنی کی تفہیم اور اس دور کے رسم الخط میں لکھے گئے چند منتخب جملے درج ذیل ہیں۔

آہاڑ: تابستان ہندیمین ایک ماہ کا نام مگر یہ لوگ تمام تابستان کو کہتے ہیں،صفحہ۱۹۲۔

بہور ئیغ: شکستن یہ فعل صرف متعدی ہے۔اس کا معنی توڑنا ہوسکتا ہے اور اگر ٹوٹنا درکار ہو تو پہر شتغ کو استعمال میں لانا چاہیے۔جیسا فارسی میں شکستن دونوں معنی دیتا ہے اس طرح یہ فعل تین ہے۔اس سبب تشریح کی گئی۔شرح،صفحہ۱۹۴۔

برئیغ: رسیدن یہ فعل صرف چرخہ کاتنے پر مشتمل ہوتا ہے اور موقعہ موافق نہیں،صفحہ۱۹۴۔

پوکوغ: ہڑّی ہندیمین کیکن کہتے ہیں جو چیز اشیا انسان کہاتا ہے اوس مین سے اندڑون بدن جاتا ہے،صفحہ۱۹۵۔

پچ آرغ: شناختن اس فعل میں دو لفظ بنے ہوئے ہیں پچ آرغ پچ کا معنے بہاخت آرغ کا معنی لانا جیسا اردو میں محاورہ بھی شناخت میں لانا بلوچی بھی ایسا محاورہ پچ آرغ،صفحہ۱۹۶۔

پہدّ یغ: دویدن اس فعل میں بھی دو لفظ ملی ہوتے ہیں پہد دیغ یعنی پیٹ دینا اگرچہ اس کا معنی بہاگنا ہوسکتا ہے مگر زیادہ تر اوس موقعے پر مشتمل ہوتا ہے جب کوئی شخص میدان سے بھاگ جاوے،صفحہ۱۹۶۔

پاسنہ: محاصرہ غارتی جب شدت غارت کیواسطے پہیل جاتا ہے اور غارت کرتی ہیں اور اوسکو پاسنہ کہتے ہیں،صفحہ۱۹۷۔

جیت: اقسام جانور جو مثل وسوسمار وگلای وغیرہ کی ہوتا ہے ایسے جانوروں کو بلوچی زبان میں جیت بولتے ہیں،صفحہ۲۰۰۔

جہیڑغ: جھگڑا کرنا یہ فعل بھی ملکی زبان سے بلوچوں نے لیا بعضے بلوچ اس فعل کو استعمال میں لاتے ہیں بعضے بجاً اس فعل گلگلہ کہنغ بولتے ہیں،صفحہ۲۰۰۔

رو: روش کہنغ بیغ اس کے ساتھ کر کے فعل جاتا مثلاً اس روکُہسا اگ روشن کیا۔اس روخ سپہ۔اگ روشن ہوا،صفحہ۲۰۶۔

سیمُہ: بعض اہل زبان تیسرے روز کی روٹی جو فوتیدگی بعد ہوتی ہے یہ نام لیتے ہیں،صفحہ۲۰۹۔

شینجن: ایک گتھلی پشم سے بنی ہوئی جو اس میں آسیا رکہکر اور آٹا دالتے ہیں،صفحہ۲۱۰۔

کاک: نان آرد آب آمیز کو سنگریزہ مدور پر کر کی آتش میں پکاتے ہیں،صفحہ۲۱۳۔

کوہی: ایک پہاڑی جانور کا نام ہے جو مثل نر ہوتا ہے یہ مادہ ہے اس کا نر جفت بہاشن ہوتا ہے یعنی مارخور مادہ،صفحہ۲۱۴۔

لشکر: فوج معرکہ جو فوج سوار و پیادہ شامل ہوں اوسکو لشکر کہتے ہیں اگر صرف سوار تب کہوڑا کہتے ہیں یہی اہل زبان کا محاورہ ہے کہ جب ایک معرکہ کا لفظ استعمال میں لایا اوس وقت لشکر مستعمل کرتے ہیں،صفحہ۲۱۹۔

ناورش: لوازمہ بور یعنی گوشت یا شیر ہو جو روٹی کے ساتھ لوازما کھانے میں آوے اوس کا نام ناورش ہے،صفحہ۲۲۳۔

وڈ: ایسا موقعہ جو برسر پہاڑ گزرگاہ اور چہڑائی ہو،صفحہ۲۲۴۔

وشکے: سب جانوران جنگلے جو شرعاً حلال ہیں اوسکو یہہ نام دیتے ہیں،صفحہ۲۲۵۔

ہیز: مشکینہ چہڑہ بلوچ لوگ اکثر دودھ اس میں بلوڑتے ہیں اور روغن زرد بھی اس میں رکھتے ہیں،صفحہ۲۲۶۔

اس لغت کو الف مقصورہ سے شروع کیا گیا ہے۔اور اس کا عنوان ردیف الف مقرر کیا گیا ہے۔ایسے ہی دیگر حروف بھی ردیف کے اضافے سے بہ طور سرخی لکھ کر اس کے ذیل میں متعلقہ الفاظ اور ان کے معنی پیش کیے گئے ہیں۔ردیف وار ترتیب کی روایت

اردو، فارسی اور عربی دواوین سے چلی آتی ہے۔ جس کے مطابق الف سے ی تک کی ان غزلوں کو الگ الگ ترتیب وار یک جا کیا جاتا ہے جن کے اشعار میں ردیف اور قافیے کے آخری لفظوں کے آخری حروف متعلقہ ردیف پر ختم ہوتے ہوں۔ مگر اس لغت میں الفاظ کی ترتیب کی یہ صورت موجود نہیں ہے بلکہ عام لغات کی طرح لفظ ردیف کے اضافے کے ساتھ الف بائی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ہر ردیف میں جدید اردو لغت کی ترتیب کے مطابق بلوچی الفاظ کی ترتیب بھی الف بائی ترتیب کے مطابق ہونا چاہیے تھی مگر یہ ترتیب کسی بھی حرف کی لغت میں موجود نہیں ہے مثلاً الف کے ابتدائی بلوچی الفاظ ، انہیا ، ایزا، استا، اِنا ، اَوستا، ایکہا ، ایکھوا ، آسروغ ، اشیار، ارانیہار، اکہّر اکتہّر ، انبرا، ابتر، آکہر، میں الف بائی ترتیب کا کوئی نظام موجود نہیں ہے نیز الف مقصورہ اور الف ممدودہ کو بھی الگ نہیں کیا گیا ہے۔ ردیف الف میں کل ۶۳ الفاظ ہیں مگر اس میں ۴ ب کے الفاظ بیا، بیار، بیا اکہس ، بیارین اور ردیف ک کا لفظ کہکسی بھی درج کر دیے گئے ہیں۔ الف کے بعد کے حروف کی لغت میں یہ بدنظمی کم ہے۔ الفاظ کی الف بائی ترتیب میں یہ بے ترتیبی کیوں ہے اس کا بہ ظاہر کوئی سبب نظر نہیں آتا ہے۔ کیوں کہ حروف کی ردیف قائم کرتے ہوئے الف بائی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس انتشار سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کے سامنے مشرقی زبانوں کی کوئی بھی مستند لغت موجود نہیں تھی۔ کیوں کہ مستند نمونے اپنی تشکیل کے مطابق تقلید کا پابند کراتے ہیں یا پھر ہتورام کی لغت نویسی پر معلومات سرسری سی تھیں۔

لغت نویسی کے لیے بنیادی اصول فراہم کرتے ہوئے رؤف پاریکھ لکھتے ہیں:

> ''ذخیرۂ الفاظ کو جمع کرنے کے بعد یہ طے کرنا ہوتا ہے کہ الفاظ کو کس ترتیب سے درج کیا جائے۔ چونکہ لغت پڑھنے کی کتاب نہیں ہوتی بلکہ حوالے کی کتاب ہوتی ہے، اس لیے اس کے اندراجات ایسے ہونے چاہییں کہ ضرورت پڑنے پر مطلوبہ لفظ بآسانی مل سکے۔ حروفِ تہجی کی ترتیب سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا۔ یہ ترتیب پہلے حروف ہی پر نہیں جملہ حروف پر نظر رکھتی ہے۔ اب تک عام ڈکشنریاں اسی ترتیب سے مدون ہوتی ہیں لیکن ماضی میں طرح طرح کے طریقے رائج رہے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:
>
> ۱۔ اردو فارسی کی منظوم لغات میں الفاظ بغیر کسی ترتیب کے درج کیے جاتے تھے۔ ملاحظہ ہو 'خالق باری' اور اس طرح کی دوسری لغات۔ ان میں کسی مخصوص لفظ کو تلاش کرنا امر محال ہے۔
>
> ۲۔ فارسی کی قدیم لغات میں لفظ کے پہلے اور آخری حرف کو پیشِ نظر رکھ کر لفظوں کے گروہ ترتیب دیے جاتے تھے یہ بھی کافی دقت طلب تھا۔
>
> ۳۔ ہندوستانی زبانوں کی بعض قدیم لغات میں صرف پہلے حرف کی ترتیب سے لفظوں کو لکھ دیا جاتا تھا۔ اس میں قباحت یہ تھی کہ اگر الف سے دو ہزار لفظ شروع ہوتے ہیں تو الف سے شروع ہونے والے کسی ایک لفظ کو کھوجنے کے لیے دو ہزار لفظوں کو کھنگالنا پڑتا تھا۔ بعد میں لفظ کے دوسرے حروف کو بھی پیشِ نظر رکھنے لگے اور آخر میں تمام حروف کو۔''[۴۴]

رؤف پاریکھ کی تحقیق کا اطلاق بلوچی نامہ (فارسی) پر کیا جائے تو یہ عیاں ہوتا ہے کہ ہتورام نے اس لغت کو جزوی طور پر

ہندوستانی زبانوں کی قدیم لغات کی طرح مرتب کیا ہے جس میں کسی حرف سے شروع ہونے والے الفاظ یک جا کر دیے گئے ہیں مگر بعد کے حروف میں الف بائی ترتیب قائم نہیں رکھی گئی۔ اسی لیے بلوچی نامہ میں بھی متعلقہ لفظ تلاش کرنا بہت محنت طلب ہے۔ یہ لغت زیادہ ضخیم ہوتی تو اس استفادے کے لیے اسی قدر تلاش کی محنتیں بڑھ سکتی تھیں۔ الف کے علاوہ ب، پ، ت، ث، ج، چ، ح، خ، د، ر، ز، س، ش، ص، ط، غ، ف، ق، ک، ل، م، ن، و، ھ اوری کے الفاظ لغت میں شامل ہیں۔ جن کی مجموعی تعداد ۲۶ حروف تہجی بنتی ہے، لیکن کچھ ایسے الفاظ بھی ہیں جو ان کے علاوہ دیگر حروف سے ترتیب پاتے ہیں مگر انھیں کسی اور حرف تہجی میں ڈال دیا گیا ہے۔ جیسے ''ٹ'' سے شروع ہونے والے الفاظ ''ت'' میں شامل ہیں۔ ''ڈ'' کے الفاظ د میں، ''کھ'' اور ''ک'' کے لفظ ق میں سمو دیے گئے ہیں۔ ردیف ''ک'' الگ لکھ کر اس میں ''گ'' کے الفاظ لکھے گئے ہیں۔ ردیف ''ق'' میں ''ق'' کا صرف ایک لفظ قلات بہ معنی کوٹ قلعہ تحریر ہے باقی تمام الفاظ ''ک'' اور ''گ'' کے ہیں۔ جن کی تعداد ۸۷ ہے۔ ''ص'' میں کل الفاظ کی تعداد ۴ ہے ان میں ''ح'' کے ۳ اور ''ص'' کا صرف ایک لفظ ہے۔ اس کے مزید تجزیے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس لغت میں پیش کیے گئے الفاظ میں ''ٹ''، ''ڈ''، ''ڑ''، ''گ'' کی آوزیں موجود ہیں مگر انہیں الگ حروف تہجی میں نہیں رکھا گیا ہے۔ جب کہ ردیف ''ھ'' میں، ''ہ'' اور ''ح'' سے ترتیب پانے والے الفاظ داخل کئے گئے ہیں۔ الفاظ کی قواعدی حیثیت کہیں بیان کی گئی ہے اور کہیں نہیں۔ اکثر ایسے الفاظ جو افعال میں شامل ہیں ان کے بارے میں اختصار سے لکھ دیا گیا ہے۔ جیسے فعل ہے، مصدر ہے، فعل متعدی ہے مگر یہ وضاحت ہر لفظ کے ساتھ نہیں کی گئی ہے۔ اسی طرح لفظ اصلاً کس زبان کا ہے کہیں بتایا گیا ہے کہ یہ ہندی، فارسی یا بلوچی کا ہے مگر بہ کثرت اس عمل سے بھی انحراف موجود ہے۔ لفظ واحد جمع، مذکر مونث کس طرح استعمال ہوتا ہے یہ عمل مکمل طور پر مفقود ہے۔ الف ممدودہ اور مقصورہ کو الف میں ہی بے ترتیب لکھا گیا ہے۔ یہ تمام عوامل یہ بتاتے ہیں کہ ہتو رام نہ ماہر لسانیات تھے نہ لغت نویس بلکہ ضرورتاً ایسے کام کر لیتے تھے جس کی سرکاری، عوامی اور ذاتی سطح پر انھیں اشد ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اعراب بندی پر بھی توجہ نہیں ہے خال خال اعراب موجود ہیں جس سے درست تلفظ میں کوئی راہ نمائی نہیں ہوتی بالخصوص ایسے لوگ جو بلوچی سے عدم واقفیت رکھتے ہیں بلوچی سیکھنا چاہیں تو الفاظ کی ادائیگی میں صحت وسند کے لیے یہ لغت معاونت نہیں کرتی ان سب کے باوجود یہ لغت اس خطے میں بامحاورہ اردو نثر کے فروغ کی پہلی منضبط کڑی ہے۔

دیباچے کے اختتام پر التماس مصنف کے عنوان سے مصنف نے معذرت نامہ بھی تحریر کیا ہے جس کے مطابق مصنف کے سامنے اس طرز کی کوئی بلوچی کتاب یا تحریر موجود نہیں تھی لہٰذا کتاب کو بہت عرق ریزی اور توجہ کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ یہ عبارت دیباچے کی اردو نثر کے مقابلے میں نسبتاً سلیس وجدید اردو نثر کا نمونہ ہے۔ التماس مصنف کی اس عبارت کا ابتدائی حصہ یوں ہے:

> ''پہلے سے کوئی قاعدہ قانون تحریری اس زبان کا نہیں تھا نہ کچھ رواج تحریر کا رہا نہ زبان کے واسطے کوئی خاص حروف مقرر ہیں۔ ہر زبان اپنے حروف سے زیب قلم کا پاتی ہے ایک زبان دوسرے حروف میں ہمیشہ بصحت کمال نہیں لکھے جاتے... آج کل زیادہ رواج اردو یا تھوڑا فارسی کا ہے۔ عربی چندان مروج نہیں۔''[۵]

جہاں کہیں معنی اور مفہوم بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے وہاں پہلے یہ کوشش کی گئی ہے کہ اسے فارسی میں لکھا جائے۔

لیکن ایسے مقامات جہاں فارسی میں مذکورہ مفہوم ادا کرنے کے لیے موزوں وسیلہ موجود نہیں تھا وہاں اردو میں معنی کو بیان کیا گیا ہے۔ دیباچے میں کتاب کے مندرجات کے متعلق جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان میں کئی بار لفظ ''اردو'' زبان کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اکثر یہ لفظ فارسی کے تعلق سے لایا گیا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۱۸۷۵ء میں بلوچستان میں بیٹھ کر اردو لکھنے والے، اس زبان کے، اس وقت عام مروج نام، اردو سے واقف ہو گئے تھے یعنی ۱۸۴۷ء میں محمد حسن براہوی کے یہاں اس زبان کے لیے استعمال ہونے والا لفظ ہندی ۲۸ سال کے فرق سے اپنے معروف نام ''اردو'' کے ساتھ رائج ہو چکا تھا۔

بلوچی نامہ میں املائے قدیم کے ساتھ ساتھ جدید اردو املا کو بھی استعمال کیا گیا ہے۔ ایسا بھی ہے کہ ایک ہی لفظ قدیم اور جدید دونوں املا میں مختلف مقامات پر لکھا گیا ہے اس کی ایک صورت یہ ہے کہ وہی لفظ چند جملوں کے فاصلے سے املا بدل کر لکھا گیا ہے یا پھر کئی صفحات کے بعد یہ صورت دکھائی دیتی ہے۔ جیسے اون (ان) صفحہ ۲ اور ان صفحہ ۳۔ بھادر (بہادر) صفحہ ۳ اور بہادر صفحہ ۳، ایسے الفاظ جو اپنی املائی شکل بدل کر آج مروج ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ اور ہر چند صفحات کے مطالعے کے بعد قدیم املائی ہئیت نظر آتی چلی جاتی ہے۔ مختلف صفحات سے ان کی منتخب کیفیت یہ ہے۔ اوٹھایا (اٹھایا) صفحہ ۴۔ اوس (اس) صفحہ ۳، ۲۱۔ اوسی (اسی) صفحہ ۸۔ بڑہا (بڑھا) صفحہ ۳۔ بہایئے (بھائی) صفحہ ۱۳۹۔ بہاگتا (بھاگتا) صفحہ ۱۲۷۔ بہین (بہن) صفحہ ۸۔ پہتر (پتھر) صفحہ ۱۵۔ پہر (پھر) صفحہ ۱۲۹۔ پہونچا (پہنچا) صفحہ ۱۲۷۔ پہونچے (پہنچے) صفحہ ۱۲۷۔ پہیل (پھیل) صفحہ ۲۰۔ پھلا (پہلا) صفحہ ۵، ۲۳۔ چچہ (چچا) صفحہ ۲۶۔ اسلاح (اسلحہ) صفحہ ۱۴۔ دونو (دونوں) صفحہ ۸۔ دیکھائے (دکھائے) صفحہ ۵۔ بنجاوے (بن جائے) صفحہ ۲۱۔ پکاوے (پکائے) صفحہ ۱۲۸۔ لاوے (لائے) صفحہ ۱۲۸۔ ہووے (ہو) صفحہ ۲۱۔

یائے معروف اور یائے مجہول میں عدم امتیاز کی کیفیت بھی موجود ہے جو املائے قدیم کی ترجمانی کرتی ہے۔ جیسے پہلی (پہلے) صفحہ ۵۔ ثانے (ثانی) صفحہ ۳۱۔ لادنی (لادنے) صفحہ ۱۸۔

نون غنہ کو اعلان نون کے ساتھ لکھنے کی روایت بہ کثرت ہے مگر کہیں کہیں املائے جدید کے مطابق نون غنہ بھی لکھا گیا ہے۔ جیسے، ارزان (ارزاں) صفحہ ۲۸۔ بیلون (بیلوں) صفحہ ۱۸۔ پنہان (پنہاں) صفحہ ۲۰۔ پاؤن (پاؤں) صفحہ ۱۳۷۔ تینون (تینوں) صفحہ ۷۔ چندان (چنداں) صفحہ ۶۔ شیرون (شیروں) صفحہ ۲۲۔ صیغون (صیغوں) صفحہ ۵۔ فعلون (فعلوں) صفحہ ۵ اس لفظ کو فعلوں بھی لکھا گیا ہے صفحہ ۸۱۔ گران (گراں) صفحہ ۲۸۔ مصدرون (مصدروں) صفحہ ۵ اور مین (میں) صفحہ ۱۲۹۔ اگرچہ مصنف نے دیباچے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے اعراب بندی اور رموز اوقاف کا خیال رکھا ہے مگر اردو نثر کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے اعراب بندی کا کہیں خیال رکھا ہے کہیں بالکل نہیں رکھا ہے۔ ایسی صورتیں بھی ہیں جہاں لفظ کے واضح تلفظ کے لیے پورے اعراب استعمال کرنے کی بجائے منتخب حروف پر اعراب لگا دیے ہیں اور اس کا بھی کوئی واضح اصول نظر نہیں آتا ہے۔ رموز اوقاف میں صرف ختمہ کا استعمال کیا گیا ہے اس کے علاوہ کوئی اور علامت موجود نہیں ہے۔

الفاظ کو قدیم املائی شکل میں یوں بھی لکھا ہے کہ مفرد الفاظ جڑ گئے ہیں یہ روایت کتابت کی کوتاہیوں اور جلد بازیوں کی وجہ سے اردو میں پختہ چلی آتی ہے کیوں کہ عام لکھنے والا چھپی ہوئی تحریروں کے املا کو مستند مان کر اس کی نقل کرتا چلا جاتا ہے پھر یہ نقل نویسی

غلط العام کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔مفرد، بامعنی الفاظ کو مرکب کر کے لکھنے پر علمی بحثیں بہت بعد میں سامنے آئیں جن کا اظہار انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۴۳ء کے اجلاس میں کیا گیا تھا اور اس کی سفارشات ۱۹۴۴ء کے تحت آگے بڑھیں۔مگر انجمن کا دائرہ اختیار محدود ہونے کی وجہ سے اس کے پاس ایسی قوت نافذہ نہیں تھی جو ان سفارشات پر عمل درآمد کرا سکتی۔اس لیے یہ بدنظمی بدستور قائم ہے۔اس پس منظر میں رشید حسن خان توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اردو املا میں غلط نگاری نے بہت کچھ راہ پالی ہے، اور عدمِ تعیّن نے انتشار کو پھیلا رکھا ہے۔اِس سلسلے میں اِس کی ضرورت ہے کہ ایسے الفاظ کا مفصّل جائزہ لیا جائے اور ضابطوں کا تعیّن کیا جائے۔دوسری بات یہ ہے کہ املا کو ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے دیکھا جائے اور اسی حیثیت سے اس کے مفصّل ضابطے مرتّب کیے جائیں۔''[۶]

بلوچی نامہ میں صحتِ املا کے معیار اپنے زمانے کے میلانات سے ہم آہنگ ہیں مگر بعض ایسی غلطیاں جو اس وقت تک درست کر لی گئی تھیں وہ بھی اس اردو نثر میں شامل ہو گئی ہیں اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ مصنف اردو نثر کا مستند لکھنے والا نہیں تھا بلکہ سرکاری ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے اس کا جس قدر مطالعہ تھا اسے بروئے کار لا کر اردو نثر کو وسیلہ اظہار بنایا تھا۔آج اس نثر پر مختلف زاویوں سے نگاہ دوڑائی جاتی ہے تو صحتِ املا کے کئی مسائل سامنے آتے ہیں ان میں سے ایک مسئلہ بامعنی مفرد الفاظ کو علیحدہ علیحدہ لکھنے کی بجائے جوڑ کر لکھنے کا ہے۔الفاظ کو الگ الگ لکھنے کی بجائے مرکب لکھنے کے منتخب نمونے یہ ہیں۔اسجگہ (اس جگہ) صفحہ ۲۷۔اسی لفظ کو ''اوسجگہ'' بھی لکھا گیا ہے۔''اسطرح'' (اس طرح) صفحہ ۲۷، ''اسطرف'' (اس طرف) صفحہ ۲۷، اس لفظ کو اسی صفحے پر ''اوسطرف'' بھی لکھا گیا ہے۔اسقدر (اس قدر) صفحہ ۲۷، اسکو (اس کو) صفحہ ۲۷، اوسپر (اس پر) صفحہ ۱۳۴، آپسمیں (آپس میں) صفحہ ۲۲۷، بنجاوے (بن جاوے) صفحہ ۲۱، پیسکر (پیس کر) صفحہ ۱۹، تمنے (تم نے) صفحہ ۱۲۹، جسقدر (جس قدر) صفحہ ۲۷، چمڑیکا (چمڑے کا) صفحہ ۱۹، خدمتگار (خدمت گار) صفحہ ۱۹۱، دوڑیگا (دوڑے گا) صفحہ ۱۲۸، دولتمند (دولت مند) صفحہ ۲۲۶، ڈالنیکا (ڈالنے کا) صفحہ ۱۹، کاشتکاری (کاشت کاری) صفحہ ۳، کمترین (کم ترین) صفحہ ۳، کہلاڑی (کلہاڑی) صفحہ ۲۲، گاوان (گائیں) صفحہ ۲۶، گُہندتے (گوندھتے) صفحہ ۲۱، لڑکونکی (لڑکوں کی) صفحہ ۱۳۰، لوگونکا (لوگوں کا) صفحہ ۱۳۲، مجکو (مجھ کو) صفحہ ۲۶، اسی لفظ کو اسی صفحے پر مجہکو بھی لکھا گیا۔نیکبخت (نیک بخت) صفحہ ۱۳۱، ہمکو (ہم کو) صفحہ ۲۲۰، یکجا (یک جا) صفحہ ۱۳۰۔

ہائے مخلوط (ھ) کو ہائے ملفوظ (ہ) سے اور ہائے ملفوظ کو ہائے حطی سے لکھنے کی روش عام ہے۔جس کی منتخب مثالیں یہ ہیں اوٹہایا (اٹھایا) صفحہ ۱۳۲، تہا (تھا) صفحہ ۱۳۵۔تہے (تھے) صفحہ ۱۲۸۔تہوڑا (تھوڑا) صفحہ ۲۔جہکڑا (جھگڑا) صفحہ ۱۳۸ اس مثال میں گ کو ک یعنی ایک کش کے ساتھ بھی لکھ گیا ہے۔چہار (چہار) صفحہ ۴۔چہوکری (چھوکری) صفحہ ۱۲۸۔چہوکرون (چھوکروں) صفحہ ۱۲۸۔رکہو (رکھو) صفحہ ۱۲۹۔کہڑا (کھڑا) صفحہ ۸۴۔گہاس (گھاس) صفحہ ۱۶۔گہوڑے (گھوڑے) صفحہ ۱۳۷۔مج (مجھ) صفحہ ۲۷۔جمع الجمع بنانے کی روش بہ کثرت نہیں ہے مگر موجود ہے جیسے، الفاظون صفحہ ۶۔

''بلوچی نامہ'' اگرچہ بلوچی زبان کے ان موضوعات پر مشتمل ہے جسے ہتو رام نے خود بیان کیا ہے مگر اس کا کچھ حصہ بلوچستان میں رہ کر تحریر میں آیا ہے۔اس لیے جہاں یہ کتاب بلوچی زبان کی ترجمان ہے وہاں اس خطے میں لکھی جانے والی اردو نثر کی

بھی عکاس ہے۔ یہ وہ نثر ہے جس کا براہ راست تعلق لسانی، قواعدی اور ادبی امور سے ہے۔ کیوں کہ اس میں قواعد، لغت، ثقافت کے مختلف گوشے اور بلوچی ادبیات کے منتخب حصے اردو نثر میں مندرج ہیں۔

ہتو رام کی ایک اور معروف کتاب ''تاریخِ بلوچستان'' ہے جو ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی۔ کتاب ۶۳۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ بلوچستان میں اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۹۸ء میں طبع ہوا جسے گوشۂ ادب کوئٹہ نے شائع کرایا۔ ۲۰۱۵ء تک اس کتاب کے دس ایڈیشن چھپ چکے تھے۔ یہ کتاب بھی اردو نثر میں لکھی گئی ہے جس کا بنیادی مقصد بلوچوں اور بلوچستان کی تاریخ کو اس طرح مرتب کرنا تھا کہ انگریزوں کے طرزِ حکومت اور عنایتوں کا ذکر بھی ہو جائے یعنی تاریخِ بلوچستان لکھنے کا ایک بڑا مقصد انگریز آقاؤں کی خوشنودی تھا۔ جس میں مصنف بڑی حد تک کام یاب ہوا ہے۔ اردو نثر اس کتاب میں اپنے موضوع کی حد بندی سے ہم آہنگ ہے اور تاریخ لکھنے کے لیے جس واقعاتی زبان اور بیان کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس میں موجود ہے۔ یہ تاریخ، بلوچستان کے بارے میں تو ہے مگر کل بلوچ اقوام کا ذکر کرتے ہوئے ان جغرافیائی حدود پر بھی مواد فراہم کیا گیا ہے جو موجودہ بلوچستان کے جغرافیے میں شامل نہیں ہیں۔ اس لیے اس کتاب کا بڑا حصہ آج کے بلوچستان سے متعلق نہیں ہے۔ البتہ وہ مقامات جو آج کے بلوچستان میں شامل ہیں ان کا ذکر کرنے سے پہلے ایک تاریخ نگار کی طرح وہاں کا عملاً مشاہدہ کر کے معلومات حاصل کی گئیں ہیں۔ اس ضمن میں مختلف علاقوں کے جغرافیائی خدوخال کا بیان وہ اندرونی شہادتیں ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ ہتو رام نے ان علاقوں کا بہ نفسِ نفیس جائزہ لیا، عارضی رہائش اختیار کی، قبائل سے روابط پیدا کیے اور جغرافیائی خدوخال کو ویسے قلم بند کیا جیسے وہ نظر آتے تھے۔ مستونگ کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''22 دسمبر 75ء مقام تیری 1 یوم 15 میل جب سریاب سے کوچ ہوا قریب دو میل وہی راستہ جو پہلے دشت سے آئے تھے چلے بعد اس کے وہ راستہ بائیں طرف رہ گیا دہنی طرف دوسرا رستہ لیا بالکل صاف تھا صرف ایک موقع پر تھوڑی اترائی تھی شہر 'تیری' میں پہنچے، تیری کا شہر خاص ردار ملا محمد خان کو خان صاحب سے معاف ملا تھا۔ اس کے گرداگرد چند بستیاں واقع ہیں کل متعلق تیری کہانی ہیں اکثر گاؤں براہوئی رئیسانی پھلی سردار ملا خان کے ہیں۔''[۷]

تاریخ اور جغرافیے کی یہ ہم آہنگی صفحہ در صفحہ موجود ہے جس میں مختلف قبائل کے حالات، شجرے اور معاشی صورت حال کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ اس تمام کام میں مصنف کی محنت اور زود نویسی ابھر کر سامنے آتی ہے۔ کتاب ۱۴ ابواب میں منقسم ہے۔ پہلے باب میں بلوچ اقوام کے شجرے نسب کے ساتھ ساتھ مختلف اقوام اور قبائل کے حالات بھی فراہم کیے ہیں۔ باب دوم میں خوانین، قلات کے شجرے اور ان کے حالات کا ذکر ہے۔ باب سوم میں کرنل رابرٹ سنڈیمن کی خدمات، ان کی تقاریر اور سردارانِ براہوئی کی جوابی تقاریر کے پس منظر میں متعلقہ علاقوں کا تاریخی اور جغرافیائی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تقریریں صفحہ ۲۰۴ سے ۲۱۰ تک اردو زبان میں تحریر ہیں اسی طرح ایک مکالمہ رابرٹ سنڈیمن اور خان قلات کے درمیان بھی اردو نثر میں تحریر کیا گیا ہے جو صفحہ ۲۱۰ سے ۲۱۱ پر ہے۔ یہ مکالمہ قلات کی سیاسی، معاشی صورتِ حال کے بارے میں ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رابرٹ سنڈیمن اور سرداران براہوئی اس سطح کی اردو زبان سے واقف تھے جس میں انھوں نے یہ تقاریر اور مکالمہ کیا تھا۔ اس سوال کا جواب کتاب تاریخ بلوچستان میں موجود نہیں ہے نہ دیگر

ذرائع سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔لہٰذا امکان ہے کہ مصنف نے از خود ان کی باہم گفتگو اور تقاریر اردو میں ترجمہ کر کے کتاب میں شامل کر لی ہیں۔ باب چہارم میں ایجنسی علاقوں کا علاقہ وار ذکر کر کے تاریخی ،جغرافیائی ،معاشی اور سیاسی معلومات فراہم کی ہیں۔تاریخی اعتبار سے یہ کتاب اہمیت کی حامل ہے جسے بعد کے مورخین نے مآخذ کے طور پر استعمال کیا ہے۔کتاب کی اہمیت اپنی جگہ پر مگر بلوچستان میں اردو نثر اور بالخصوص اردو کی ادبی نثر کی تلاش میں یہ کتاب ہتو رام کی دیگر دو کتابوں ''گل بہار'' اور ''بلوچی نامہ'' جیسی رہنمائی فراہم نہیں کرتی۔ہتو رام کی یہ تمام کتابیں اپنے عہد کی اردو نثر کے املائی ،قواعدی ،ابلاغی اور معنوی قدامت کی حامل ہیں اور اس خطے میں اپنے عہد کی نثری روایات کی ایسی تاریخیں ہیں جن کی وجہ سے اردو کے قدم آگے بڑھے اور رفتہ رفتہ یہاں کی اردو نثر اردو کے بڑے مراکز کے ہم پلہ ہوگئی۔

ہتو رام کی اردو نثری کتابیں ''گل بہار'' ۱۸۷۲ء ،''بلوچی نامہ'' ۱۸۷۵ء اور ''تاریخ بلوچستان'' ۱۹۰۷ء میں سے پہلی دو کتابیں اس زمانے کے قریب لکھی گئیں جب غالبؔ کے اردو خطوط ،سرسید کی آثار الصنادید ۱۸۴۷ء اور اس کے بعد سرسید کی دیگر اردو نثری تحریریں ،ڈپٹی نذیر احمد ،حالی ،شبلی اور محمد حسین آزاد کی نثری کاوشیں ادبی رنگ میں ڈھل کر اپنے اثرات مرتب کر رہی تھیں۔جس کے نتیجے میں وہ اردو نثر جو اظہار و ابلاغ کے ذرائع میں ناپسندیدہ رہی تھی اپنا مقام بنا کر نت نئے موضوعات کو اپنے دامن میں سمیٹ رہی تھی۔اسی سے اردو کی نئی نئی نثری اصناف پنپنے لگیں تھیں۔اس کے ساتھ وہ اردو نثر بھی فروغ پا رہی تھی جو ادبی نہیں تھی مگر ایک صاف ، شستہ اور سلجھے ہوئے اسلوب کی حامل تھی اور اپنے اندر اعلیٰ علوم کو جذب کر کے پیش کرنے کی طاقت پیدا کر چکی تھی۔اس سلسلے میں اردو صحافت نے بھی اپنا کردار ادا کیا۔جن میں مولوی محمد باقر کا ''اردو اخبار'' اور سرسید کا ''سید الاخبار'' یہ کام کرنے میں پیش پیش تھے۔مولانا شبلی نعمانی ،سرسید کی اردو نثری خدمات کا احاطہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

> ''اردو انشاء پردازی کا آج جو انداز ہے اور جس کے مجدّد اور امام سرسید مرحوم تھے اس کا سنگ بنیاد دراصل مرزا غالب نے رکھا تھا۔
>
> سرسید کو مرزا سے جو تعلق تھا ،وہ ظاہر ہے ،اس لیے کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ سرسید ضرور مرزا کی طرز سے مستفید ہوئے۔اسی زمانے میں ہندوستان کے ہر حصے میں کثرت سے اردو اخبارات جاری ہو گئے اور انشاء پردازی کو روبروز ترقی ہوتی گئی۔اخبارات کو ہر قسم کے اخلاقی ،تمدنی ،ملکی ،مذہبی ،تاریخی مسائل سے کام پڑتا تھا اس لیے ہر قسم کے مضامین لکھے گئے۔تاہم انشاء پردازی کا کوئی خاص انداز مرتب نہیں ہوا تھا ،اس کے علاوہ جو کچھ تھا ابتدائی حالت میں تھا۔''[۸]

شبلی کی توضیحات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جدید اردو نثر کا جو سفر غالب اور سرسید کے توسط سے شروع ہوا تھا وہ ہندوستان بھر میں تیزی سے پھیلا جس کا حجم برصغیر کے تمام علاقوں تک تھا۔اس کا دورانیہ ۱۸۴۷ء کے بعد کی کم از کم چار دہائیاں تھیں۔اس تجزیے کے مطابق جدید اردو نثر کا پھیلاو ہر خطے میں ہونے کے باعث لازمی تھا کہ بلوچستان بھی اس میں اپنا حصہ ڈالتا جو اس نے ہتو رام کے ذریعے ڈالا۔لیکن اسے ایسے ذرائع فراہم نہیں ہو سکے جو سرسید ،ان کے رفقا اور ان کے بعد کی نسلوں کے سامنے موجود تھے۔اس لیے

اردو نثر نے ابلاغ اور اسلوب کے جو پیمانے اس وقت تراش لیے تھے وہ ہتو رام کی نثری کتابوں میں مفقود ہیں۔ مگر انھوں نے اردو نثر کے پس منظر میں بلوچستان کے لیے جو کام کیا وہ نثری ترغیب کا باعث بنا۔ ''بلوچی نامہ'' (فارسی) کا دیباچہ اپنے اسلوب، ذخیرہ الفاظ کے استعمال، معنویت، ابلاغ کی قوت، سلاست و روانی اور معنی خیزی کے اعتبار سے بلوچستان کے پس منظر میں اردو کی ایسی ابتدائی نثری تحریر ہے جس میں لسانی مباحث کے ساتھ ساتھ ادبی رنگ بھی موجود ہے۔ خصوصاً وہ حصے جو مصنف نے زبانوں پر اپنی کم مائیگی کے احساس کی وضاحت کے لیے اردو نثر میں لکھے ہیں۔

حواشی:

۱ ہتو رام رائے، گل بہار (بلوچ قبائل)، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، ۲۰۱۴ء، ص ۲۵۸۔

۲ ایضاً، ص ۳۰۴۔

۳ ہتو رام رائے، ''بلوچی نامہ''، مرتبہ عزیز محمد بگٹی، کوئٹہ، ۱۹۸۰ء، ص ۳۔

۴ رؤف پاریکھ، ''اُردو لغات اُصول اور تنقید''، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، ص ۱۹۔۲۰۔

۵ ''بلوچی نامہ''، ص ۷۔

۶ رشید حسن خان، ''اُردو املا''، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۳۱۔

۷ ''تاریخ بلوچستان''، ص ۲۰۱۔

۸ مولانا شبلی نعمانی، ''سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر''، مشمولہ جہاتِ سرسیّد، مرتبہ ڈاکٹر رخسانہ صبا، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ص ۲۱۔

فہرستِ اسنادِ محوّلہ:

۱۔ پاریکھ، رؤف: ۲۰۱۴ء، ''اُردو لغات اُصول اور تنقید''، فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، کراچی۔

۲۔ خان، حسن، رشید: ۲۰۱۰ء، ''اُردو املا''، فکشن ہاؤس، لاہور۔

۳۔ رائے، ہتو رام: ۱۹۸۸ء، ''بلوچی نامہ''، مرتبہ عزیز محمد بگٹی، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ۔

۴۔ رائے، ہتو رام ۲۰۱۴ء، ''گل بہار (بلوچ قبائل)''، (اشاعت سوم)، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ۔

۵۔ صبا، رخسانہ، ڈاکٹر: ۲۰۱۷ء، ''جہاتِ سرسیّد''، انجمن ترقیِ اردو، پاکستان، کراچی۔

۶۔ لالہ، ہتو رام: ۲۰۱۵ء، ''تاریخ بلوچستان''، گوشہ ادب، کوئٹہ۔